بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نظرات

## گاندھی فلسفۂ حیات اور مسلمان

ہندوستان ٹائمز مورخہ ۱۱ اگست ۱۹۳۹ء میں اچاریہ جے بی کرپلانی جنرل سکرٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ایک مضمون "گاندھی جی کا راستہ" (The Gandhian way) کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اُن کی کسی کتاب کا ایک باب ہے۔ مضمون میں جن خیالات و آرا کا اظہار کیا گیا ہے ہر چند کہ وہ شخصی اور انفرادی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لیے ایک جماعتی اصول و آئین پر اُن کو اثر انداز نہ ہونا چاہیے لیکن کسی جماعت مقتدرہ کے جنرل سکرٹری کی حیثیت عام ممبروں سے ممتاز ہوتی ہے اور اُس کے مخصوص فرائض کے اعتبار سے اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام سرکارِ جماعت کی نگاہ میں معتبر اور قابل اعتماد ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اچاریہ جی کے اس مضمون نے جہاں ایک طرف خود اُن کی ذات کے متعلق مسلمانوں میں بے اعتمادی پیدا کردی ہے تو دوسری طرف چونکہ اُنہوں نے اس مضمون میں کانگریس کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے جس کے وہ جنرل سکرٹری ہیں اس لیے جب تک کانگریس کی ورکنگ کمیٹی ان خیالات کی تردید نہیں کرتی لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ اچاریہ کرپلانی کے ان خیالات کی حیثیت محض ذاتی نہیں بلکہ جماعتی ہے۔ اس تتبع کے بعد ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ان

خیالات پر غور کرے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ وہ کس حد تک ان خیالات کے ساتھ اتفاق کر سکتا ہے۔

---

مضمون کی اصل اسپرٹ یہ ہے کہ کانگریس پہلے صرف ایک سیاسی جماعت تھی اور اس لیے اس میں سیاسی اعتبار سے متحد الخیال لیکن معاشرت میں شدید اختلاف رکھنے والے لوگ مساویانہ حیثیت سے شریک ہو سکتے تھے لیکن جب سے کانگریس گاندھی جی کے زیر اثر آئی ہے وہ صرف ایک سیاسی جماعت نہیں رہی بلکہ اس کے تمام کل پرزے گاندھی جی کے مخصوص فلسفۂ حیات کے الکٹرک اسٹیم سے متحرک ہونے لگے ہیں اور اس کا دائرۂ عمل سیاست کی حد بندیوں کو توڑ کر معاشرت، اخلاق، اور روحانیت ان سب کو محیط ہو گیا ہے۔ گاندھی جی ہندوستان میں جو ایک ہمہ گیر انقلاب ـــ ایسا ہمہ گیر کہ زندگی کا کوئی شعبہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے ـــ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے کانگریس کو آلۂ کار بنایا ہے اور وہ بڑی حکمت عملی کے ساتھ تدریجی طور پر یہ انقلاب پیدا کر رہے ہیں یعنی انہیں اپنے ہمہ گیر انقلابی پروگرام کو عمل میں لانے کے لیے جیسے جیسے مواقع میسر ہوتے جاتے ہیں اور اس کے لیے سہولتیں بہم پہنچتی رہتی ہیں انہیں کے مطابق وہ اپنے پروگرام کو چلانے میں کامیاب ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ کانگریس نے جونہی وزارت قبول کرنے کا فیصلہ کیا گاندھی جی نے فوراً انسداد شراب نوشی اور تعلیمی اصلاح کا پروگرام پیش کر دیا اور کانگریسی وزارتوں کے ہاتھ سے اس کو نافذ کرایا۔ اسی طرح اُن کی مختلف معاشرتی تحریکات مثلاً دیہات سدھار، اچھوت اُدھار وغیرہ سب اسی قسم کی تحریکیں ہیں جو خالص معاشرتی اور معاشی تحریکیں ہیں لیکن اُن کو نافذ کرنے کے لیے جس سیاسی اقتدار کی ضرورت ہے وہ کانگریس کی وساطت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ان امور کے ذکر کے دوران میں آچاریہ کرپلانی نے بار بار شدومد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ کانگریس کے عقیدہ (Creed) میں جس کا تمام تار و پود گاندھی جی کے فلسفۂ حیات سے تیار ہوا ہے اور جس کی رو سے

بذہبی سیاست، معاشرت، اخلاق، اور روحانیت سب کو شامل ہے، اُس میں اور کانگریس کے پروگرام میں ایک عضویاتی انسلاک وارتباط پایا جاتا ہے اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے جُدا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ ناخن کا گوشت سے یا ایک عضو کو دوسرے عضو سے جُدا کرنا۔ اس بنا پر جو شخص کانگریس کے پروگرام کو تو مانتا ہے لیکن اُس کے عقیدہ کو یعنی گاندھی جی کے فلسفۂ حیات کو تسلیم نہیں کرتا وہ صحیح معنی میں کانگریسی نہیں ہے۔ اور ایسے لوگوں کا کانگریس میں رہنا بجائے فائدہ رساں ہونے کے کانگریس کے کاز کے لیے سخت مضرت رساں ہے۔

---

ہم محسوس کرتے ہیں کہ اچاریہ کرپلانی کے اس مضمون کا خطاب براہ راست سوشلسٹ پارٹی سے ہے اور اسی بنا پر اُنہوں نے بڑی صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ گاندھی ازم اور کمیونزم یا سوشلزم ان دونوں میں بڑا تضاد ہے اور چونکہ کانگریس کی تمام عملی تحریکات گاندھیزم کے ماتحت چل رہی ہیں اس لیے سوشلسٹ پارٹی کو کانگریس سے دست بردار ہوجانا چاہیے یعنی اگر وہ کانگریس میں آتے ہیں تو گاندھی ازم کے عقیدہ کو قبول کرکے آئیں، ورنہ کانگریس میں اُن کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ لیکن ہم یقین رکھتے ہیں کہ جس طرح گاندھی ازم اور سوشلزم یا بالشوزم میں تضاد ہے، اسی طرح گاندھی ازم اور محمدزم میں بھی تضاد ہے۔ دونوں کا فلسفۂ حیات ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے اور یہ ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے کہ جب تک مسجد و مندر اور تسبیح شیخ و زنار گبر ایک نہیں ہوسکتے۔ محمدزم اور گاندھی ازم میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ دونوں کا معیار اخلاق و روحانیت جُدا جُدا۔ دونوں کا نظریہ معاشرت و معیشت الگ الگ ہے۔ اس بنا پر اچاریہ کرپلانی نے جو خطاب سوشلزم سے کیا ہے بالواسطہ یا بلاواسطہ اُس کے مخاطب ہندستان کے وہ لوگ ور فرزندانِ توحید بھی بن جاتے ہیں جن کی نظر میں گاندھی ازم کو محمدزم کے بالمقابل وہ ادنیٰ وقعت بھی حاصل نہیں ہے جو مٹی کے ایک تودہ کو ہمالیہ کی ناتنگا پربت چوٹی کے مقابلہ

ہیں۔ یا ایک چابی سے چلنے والی گڑیا کو کسی تندرست اور نوجوان انسان کے مقابلہ میں حاصل ہوسکتی ہو۔

مسلمان اپنی مذہبی تعلیمات کی روشنی میں ایک بڑے انسان کی حیثیت سے گاندھی جی کا احترام کرسکتے ہیں اور انہیں کرنا چاہیے لیکن کیا ایک لمحہ کے لیے بھی کوئی مسلمان جب تک کہ وہ مسلمان ہو، اور محمد عربیؐ کی غلامی کا حلقہ گوشِ جان و دل میں ڈالے ہوئے ہے، یہ تصور کرسکتا ہے کہ وہ معاشرت، اخلاق اور روحانیت میں گاندھی جی کا فلسفۂ حیات قبول کریگا؟ اور اپنی تشنگی فرو کرنے کے لیے آبِ زمزم کو چھوڑ کر گنگ وجمن کا پانی چلو بھر بھر کے پیے گا۔ حاشا و کلا ولو اتت الساعۃ وزلزلت الارض زلزالھا

---

اچاریہ کرپلانی کا یہ بیان یقیناً اُن مخلص اور دیندار مسلمانوں کے لیے بیحد یاس انگیز ہے جو نیک نیتی کے ساتھ کانگریس میں محض اس لیے شریک ہیں کہ کانگریس تمام اقوام ہند کی ایک مشترک سیاسی جماعت ہو اور اس کا مقصد ہندوستان کو اجنبی تسلط واقتدار سے اجتماعی کوششوں کے ذریعہ آزاد کرانا ہے اور خود کانگریس کی طرف سے اب تک بار بار جو اعلانات ہوتے رہے ہیں اور کلچرل اٹانومی وغیرہ کے سلسلہ میں اُس نے اب تک جو تجاویز پاس کی ہیں اُن سے بھی اسی کی تائید ہوتی تھی کہ کانگریس صرف ایک سیاسی جماعت ہے، اس سے متجاوز ہوکر وہ ہرگز یہ نہیں چاہتی کہ مختلف اقوام ہند کو کسی مخصوص فلسفۂ حیات کی روشنی میں روحانیت واخلاق اور معاشرتی اصلاح کی کسی خاص اسکیم کا پابند بنائے۔ کانگریس وزارتوں نے انسداد شراب نوشی کی جو تحریک کی تھی مسلمانوں نے اُس کی پُرزور تائید محض اس لیے کی تھی کہ وہ عین تعلیمات اسلام کے مطابق تھی، اس تائید کی بنیاد یہ ہرگز نہ تھی کہ یہ تحریک گاندھی فلسفۂ حیات کی پیروی کی راہ سے معرض وجود میں آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیندار مسلمانوں نے جس طرح انسداد شراب نوشی کی تحریک میں کانگریس کی مدد کی اسی طرح اُنھوں نے بڑی صفائی کے ساتھ وردھا تعلیمی اسکیم کی مخالفت میں سرگرمی دکھائی اور غیر کانگریسی مسلمانوں نے اُس کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ کیونکہ یہ اسکیم اگرچہ گاندھی فلسفۂ حیات کے عین

مطابق تھی لیکن اس کے بعض اجزا محمدی فلسفۂ حیات کے خلاف تھے۔ اسی لیے مسلمانوں کے لیے ناممکن تھا کہ وہ ان اجزار کو قبول کر لیتے۔

---

اچاریہ کرپلانی کو معلوم ہوجانا چاہیے کہ صرف ایک وردھا تعلیمی اسکیم نہیں، بلکہ اسی طرح کی جتنی معاشرتی روحانی اور اخلاقی اسکیمیں انکے سامنے پیش کی جائینگی جو گاندھی فلسفۂ حیات کے مطابق ہونے کے باوجود اسلامی نقطۂ نظر سے ناقابلِ قبول ہونگی مسلمان اُنکی مخالفت اسی شد ومد کے ساتھ کرینگے اور اُنکے نفاذ کی راہ میں اجتماعی احتجاج سے طرح طرح کی رکاوٹیں اور دشواریاں پیدا کرینگے۔ مسلمانوں کی راہ بالکل کھلی ہوئی ہے، اُن کے متعلق کرپلانی جی یا کسی اور زعیم کانگریس کو مغالطہ میں نہ رہنا چاہیے۔ مسلمان کسی دوسری جماعت سے سیاسی مقصد میں متفق ہو کر سیاسی پروگرام میں عملی اشتراک کر سکتے ہیں، لیکن یاد رکھیے وہ اپنی معاشرت اور فلسفۂ حیات و روحانیت کو کسی دوسرے کے فلسفہ سے کسی قیمت میں بھی بدلنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

---

مسلمانوں کی یہ پوزیشن جس طرح آج واضح ہے کل بھی واضح تھی، اُنہوں نے اپنے اس نقطۂ نظر کا کبھی اخفا نہیں کیا۔ اب کرپلانی صاحب بتائیں کہ مسلمانوں کے متعلق اس علم کے باوجود پھر جو آپ نے مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت کی دعوت دی تو کیا آپ کا یہ بلاوا سراسر مکر و فریب اور خدع و ریا پر مبنی نہیں تھا۔ کیا آپ نے اُن کے ساتھ واقعی تمسخر اور استہزا نہیں کیا۔ کیا آپ نے اُن کی ذہنیتوں کو اپنی سیاست کا ایک بازیچہ نہیں بنایا، مسٹر کرپلانی دو الزاموں میں سے ایک الزام سے نہیں بچ سکتے۔ اُنہوں نے کانگریس کے نقطۂ خیال کی جو ترجمانی کی ہے وہ دو حال سے خالی نہیں ہوسکتی۔ اُس کو صحیح تسلیم کیجیے یا غلط قرار دیجیے، اگر وہ صحیح ہے اور غالباً اسی وجہ سے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبروں میں سے کسی ممبر نے، خود گاندھی جی نے اور صدر کانگریس نے کسی نے اس بیان کی اب تک تردید نہیں کی ہے تو آپ کو یہ ماننا پڑیگا کہ آپ کا کراچی کا رزولیشن، آپ کے اعلانات

سب مسلمانوں کے لیے ایک ہمرنگ زمین دام بچھانے کی کوششوں کے سلسلہ میں تھے اور یہ سب کچھ صرف اس لیے تھا کہ مسلمانوں کو الگ کسی ایک قومی پلیٹ فارم پر جمع نہ ہونے دیا جائے، اور ان کی صلاحیتوں کو پراگندہ کرکے اور اُن کی عملی ہم آہنگیوں میں انتشار پیدا کرکے انہیں کانگریس میں شریک کرنے کے بعد اقلیت کی بھاری چٹان کے نیچے لاکر کچل دیا جائے، اور پھر کانگریسی وزارتوں کے آہنی پنجوں سے اُن کے پر و بال نوچ کر انہیں ایسا دست و پا بریدہ بنا دیا جائے کہ وہ تم ایجادیِ قاتل کا شکوہ کرنے کے قابل بھی نہ رہیں، اور اگر یہ بیان صحیح نہیں بلکہ غلط ہے جیسا کہ کانگریس کی اصولی تجاویز سے اسکی تائید ہوتی ہے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ کرپلانی صاحب نے یہ بیان دے کر سراسر جھوٹ بولا ہے، اور اُنہوں نے اُس جماعت کی بالکل غلط اور گمراہ کن ترجمانی کی ہے جس کے وہ سکرٹری ہیں۔ اس دوسری صورت میں کانگریس کی مجلس عاملہ کا فرض ہے کہ وہ اس بیان کی تردید میں ایک متفقہ بیان شائع کرکے کانگریس کی صحیح پوزیشن واضح کردیں اور ساتھ ہی کرپلانی صاحب کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کریں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر سوبھاش بابو کے خلاف اُن کے چند بیانات کی وجہ سے کوئی سخت تادیبی کارروائی کی جاسکتی ہے تو آج مسٹر کرپلانی کے خلاف اُن کے اس غیر ذمہ دارانہ بیان کی بنا پر کوئی تنبیہی کارروائی کیوں نہیں ہوسکتی۔

---

اس مرحلہ پر ہم بالکل صفائی کے ساتھ یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ مسٹر کرپلانی کے اس مضمون کو شائع ہوئے ایک ماہ سے زیادہ ہو چکا ہے، اس مدت میں متعدد اسلامی جرائد نے اس مضمون کے خلاف پُرزور احتجاجی مضامین لکھے اور متعدد مسلمان ارباب سیاست نے اپنی تحریروں کے ذریعہ اس کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ ادھر یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن اُدھر سے اب تک سکوت مسلسل اور خاموشی پیہم ہے۔ آج گاندھی جی بھی چپ ہیں، جن کو اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے بار بار بیانات دینے کا بڑا شوق ہے اور آج ان لوگوں کے لبوں پر بھی مہر سکوت لگی ہوئی ہے جو کانگریس کی طرف سے دفاع کرنے میں سب سے پیش پیش رہتے ہیں۔ کیا اس خاموشی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ گویا یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ مسٹر کرپلانی نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ اور واقعی کانگریس گاندھی ازم کو دنیا میں پھیلانے والی ایک جماعت ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد ہم ایک طرف جہاں گاندھی جی کی قوت تسخیر اور عظمت و بزرگی کے ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ کانگریس کے ممبر نہ ہونے کے باوجود اپنی شخصیت کے اثر سے ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کو اپنی انگلیوں کے اشارہ پر نچانے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو دوسری طرف ہمیں صاف طور پر کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا چاہیے۔ مسٹر کرپلانی کے بیان سے اُن تمام اعتراضات کی تائید و تصدیق ہو جاتی ہے جو اب تک کانگریس کے

خلاف غیر کانگریسی مسلمانوں کی طرف سے کیے جاتے رہے ہیں، ان لوگوں کا سب سے بڑا اعتراض متحدہ قومیت کا ہے، اور ظاہر ہے اس مضمون کا ماحصل یہی ہے کہ کانگریس مختلف قومی امتیازات مٹاکر سب کو ایک ہی قومیت میں منسلک کرنا چاہتی ہے۔ ان دو تین سال کی مدت میں کانگریس میں جو جو تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں اُنکے پیش نظر کہا جاتا تھا کہ کانگریس سے جمہوریت کی روح فنا ہوگئی ہے اور اُسکی جگہ آمریت نمایاں ہوتی جاتی ہے۔ سی پی کے سابق وزیر اعظم کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا، سوبھاش بابو کو جس جس طرح صدارت سے استعفا دینے پر مجبور کیا گیا۔ پھر تری پورہ کے اجلاس کانگریس میں پنڈت پنت کا رزولیوشن۔ یہ سب اُس رُخ کی طرف اشارہ کرتے تھے جدھر کانگریس آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی لوگوں کے دلوں میں ان چیزوں سے طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہوتے تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج مسٹر کرپلانی کے اس مضمون نے ان تمام شبہات پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔

---

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد مسلمانوں کے لیے صرف دو ہی طریقے کار ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کانگریس کی اصولی اور بنیادی حیثیت سے فائدہ اُٹھاکر کانگریس میں اس کثرت سے شریک ہوں کہ کرپلانی ایسی ناروا ذہنیت رکھنے والے کانگریسیوں کو مایوس ہو جانا پڑے۔ اس میں شک نہیں تعداد کے لحاظ سے مسلمان پھر بھی اقلیت میں رہینگے لیکن اگر مجموعی حیثیت سے وہ ایک زبردست عزم و حوصلہ کے ساتھ کانگریس میں شریک ہو کر اُس کے پورے نظام پر قابض ہو جائیں تو اُس کو ایک صحیح شاہراہ پر چلا سکتے ہیں اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر اُنہیں چاہیے کہ سب اپنے اپنے اختلافات مٹاکر ایک واحد قومی پلیٹ فارم پر مجتمع ہو جائیں اور ایک زبردست لولہ کار کے ساتھ جداگانہ قومیت کی لائن پر اپنی تنظیم کریں۔ مسلمانوں کے لیے کانگریس میں داخلہ صرف اسی وقت مفید ہو سکتا ہے جبکہ وہ بھاری اکثریت کے ساتھ اُس میں شامل ہوں اور وہاں اپنی موثر نمائندگی کو کانگریس کے کاروبار کی نگرانی کر سکیں۔ صرف چند نامور مسلمانوں کا وہاں ہونا جبکہ انہیں قوم کی اکثریت کی نمائندگی حاصل نہ ہو کسی حالت میں مفید نتیجہ نہیں ہو سکتا۔

---

کانگریس میں اکثریت رکھنے والی قوم اگر اقتدار کے نشہ میں مست ہو تو اُسے واضح طور پر معلوم ہو جانا چاہیے کہ آج کے افتراق و پراگندگی سے فائدہ اُٹھاکر وہ جو جو چاہیں کہہ دیں، اور کریں لیکن نبی عربیؐ کے یہ حلقہ بگوش اگر ایک مرکز پر جمع ہو گئے تو بتا سکتے ہیں کہ گاندھی کا فلسفۂ حیات زیادہ قابل قبول ہے یا اُس قوم کا فلسفۂ روحانیت اور نظام اخلاق و معاشرت اصول فطرت کے عین مطابق ہے جس نے سات سو برس تک دنیا کی جاہل اور وحشی قوموں کو حسن اخلاق و تہذیب دیا اور جس نے حضیض مذلت میں پڑی ہوئی قوموں کو تربیت دے کر ہمدوش ثریا بنا دیا۔ اُس وقت